سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن ہند نمبر ۸۰۶
امامیہ مشن
عیدِ غدیر
رشحاتِ قلم
سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی النقوی طاب ثراہ
امامیہ مشن علی گڑھ
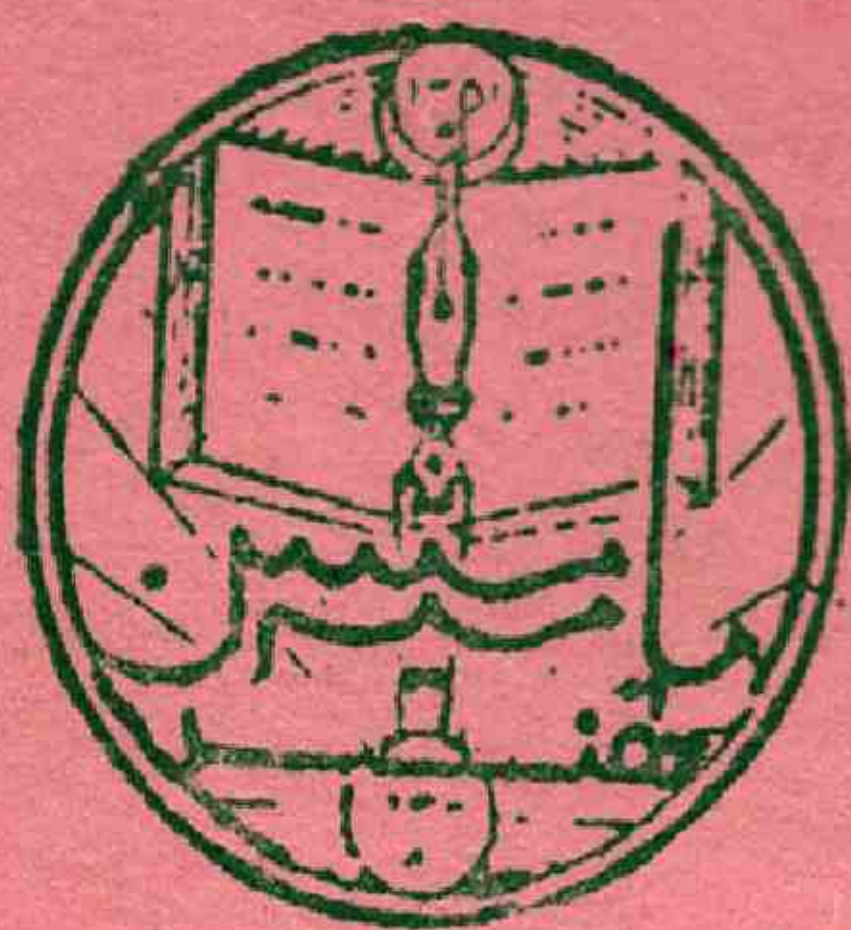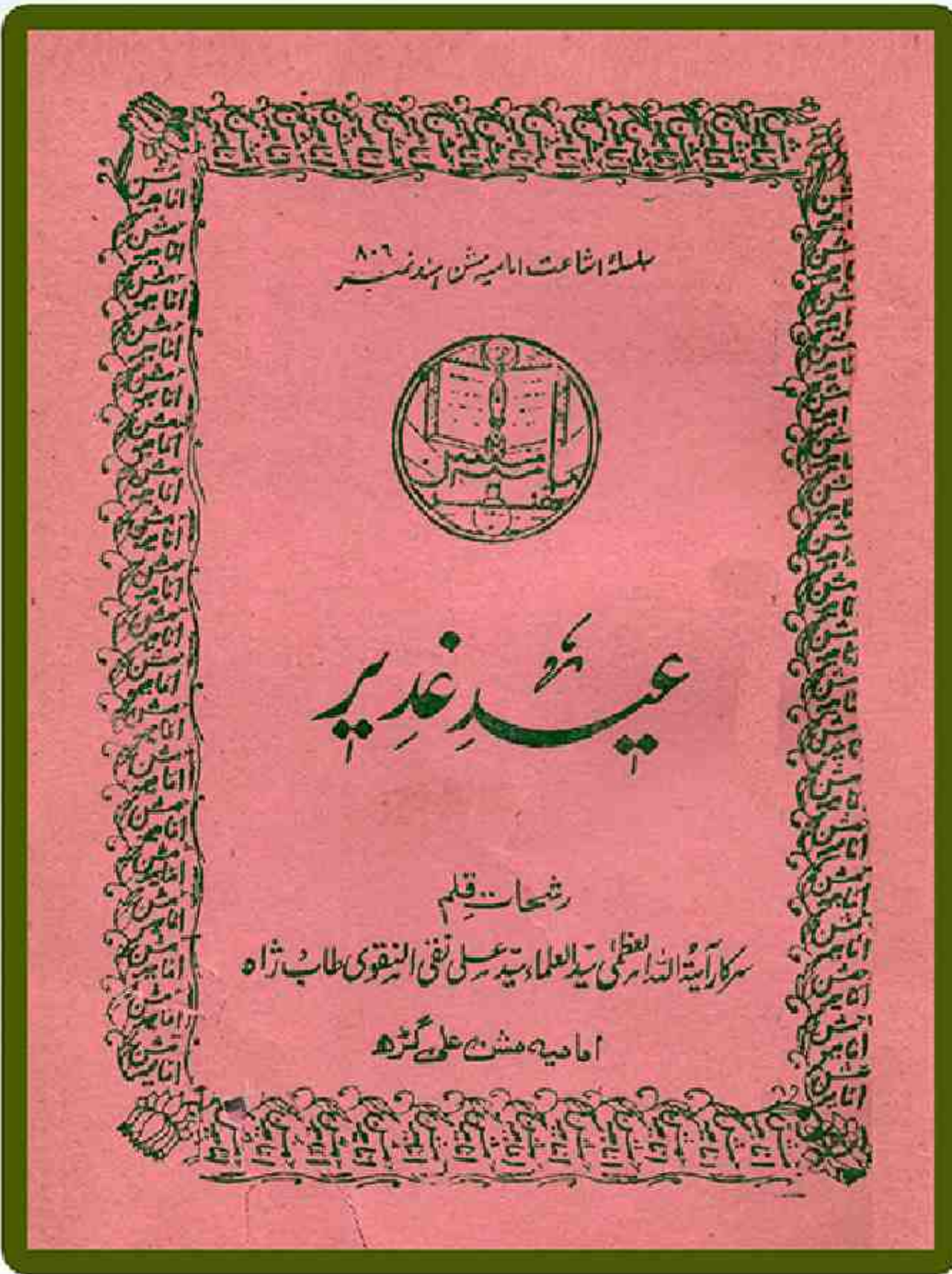
اسم کتاب: عید غدیر

مصنف: سید العلماء علامہ سید علی النقویؒ

موضوع: کلام، امامت، تاریخ صدر اسلام

زبان: اردو **صفحات:** ۴۲

ناشر: امامیہ مشن، علیگڑھ،

اکتوبر ۱۹۹۰ عیسوی باہتمام تفسیر الحسن نقوی

معرفی: یہ مختصر کتابچہ "امامت و خلافت اور فضائل امیر المومنین " کے موضوع پر علامہ نقن کے چندمقتدر مقالات کا مجموعہ ہے جسے وصی رسول امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی جانشینی کی چار سو سالہ یادگار کے موقعہ پر امامیہ مشن کی جانب سے یکجا کرکے پیش کیا گیا۔

اگرچہ یہ مقالات اس سے پہلے جداگانہ طور پر مختلف مجلات میں چھپ چکے ہیں۔ جسکی تفصیل یہ ہے۔

1۔"غدیر و نوروز قرآن کی آخری آیت اور اکمال دین واتمام نعمت" مجلّہ "مبلغ" لکھنو میں ذی الحجہ 1351ھ

2۔"آفتاب عدالت کا نقطہ اعتدال" رسالہ الواعظ، لکھنو ذی قعدہ 1348ھ جلد 9، نمبر 4

3۔"خلافت الٰہیہ اور سیاست ملوکیہ میں تفرقہ و حقیقی جانشین رسول کے روحانی خصوصیات " مجلّہ اخبار شیعہ لاہور 13 رجب 1348 ھ ج 5 شمارہ نمبر25

4۔ "عالم انسانیت کا معلم اعظم" مجلّہ سرفراز رجب نمبر 1352 ھ

تاریخ ارسال برائے ٹیلیگرام گروپ: 24/7/2020

چہاردہ صد سالہ یادگار جانشینیٔ وصیٔ رسول، امیر المومنین امام المتقین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے موقع پر امامیہ مشن کی پیشکش۔

رشحاتِ قلم

سرکار آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی النقوی طاب ثراہ

امامیہ مشن علی گڑھ

مطبوعہ:

کتاب کار،

جی۔ ٹی روڈ علی گڑھ

فون ۲۲۱۳۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غدیر خم کا واقعہ ۱۰ھ میں ۱۸ ذی الحجہ کو پیش آیا تھا، جسے عید غدیر کے نام سے امیر المومنین حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کے خلیفۂ رسول نامزد ہونے کی یادگار کے طور پر ہر سال منایا جاتا ہے۔

چونکہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ شمسی حساب سے ۲۱ مارچ کو واقع ہوئی تھی لہٰذا ۲۱ مارچ عید نوروز کے عنوان سے منائی جاتی ہے مقصد یادگار جانشینئ رسول ہی ہے۔ اور اتفاق سے ۱۳۵۲ھ میں یہ دونوں عیدیں یعنی عید غدیر اور عید نوروز مارچ ہی کے مہینے میں تھوڑے سے فاصلہ سے واقع ہوئیں لہٰذا مجاہد ملت سید ابن حسین صاحب نقوی مرحوم سابق سیکریٹری امامیہ مشن نے سرکار سید العلماء طاب ثراہ کا رسالہ نوروز و غدیر دو ملیہی عیدوں کے نام سے معنون کرتے ہوئے ۱۳۵۲ھ میں امامیہ مشن کی سترہویں دینی خدمت بیادگار جانشینئ وصی رسول امام برحق حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کے عنوان سے شائع کیا تھا اور یہی رسالہ دوبارہ ۱۴۰۳ھ سید نظیر حسین صاحب مرحوم سابق سیکریٹری امامیہ مشن نے طبع کیا تھا۔

۱۴۱۰ھ میں ہونے والی عید غدیر اسی جشن خم غدیر کی چودہ سو سالہ یادگار کے طور پر منائی گئی تھی لہٰذا امامیہ مشن پھر اسی رسالہ کو جو مضمون کے لحاظ سے حسب حال بھی ہے اور پُر از معلومات بھی چہاردہ صد سالہ جشن جانشینی وصی رسول امام برحق امیر المومنین حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام کے موقع پر اپنی پیشکش کے طور پہ شائع کر رہا ہے۔

چودہ سو برس گذر جانے کے بعد بھی آجتک مسئلہ خلافت وہیں ہے جہاں پہلے تھا
آجتک یہ طے نہیں ہو سکا کہ خلافت جمہوری ہونی چاہیئے تھی یا منصوص من اللہ۔ اگر خلافت
جمہوری ہونی چاہیئے تھی تو پھر جو مسلمانوں کے سواد اعظم کا نظریہ ہے وہی صحیح قرار پا سکتا ہے
لیکن اگر اسے منصوص من اللہ ہونا چاہیئے تھا تو اہل تشیع کا نظریہ ہی صحیح قرار پائے گا لیکن
اس کا تصفیہ کیونکر ہو۔

حالانکہ یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے اور اس پر غور و خوض کیا جا سکتا ہے کہ اگر نبوت
جمہوری تھی تو خلیفہ بھی جمہوری ہونا چاہیئے اور اگر نبوت من جانب اللہ تھی تو پھر خلافت کو
بھی لازماً منصوص من اللہ ہونا چاہیئے اس کے لئے مقصدِ بعثت پر بھی ایک نظر ڈالنی چاہیئے
کیا رسول کا مقصد بعثت ایک حکومت کی طرح ڈالنا تھا یا کچھ اور۔ آیئے کلام اللہ سے پوچھتے
ہیں:۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتہ و
یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانو من قبل لفی ضلل مبین

(سورۂ جمعہ)

ترجمہ:۔ وہ وہی تو ہے جس نے اہل مکہ میں انھیں میں کا ایک رسول مبعوث کیا جو ان
کے لئے آیات قرآنی کی تلاوت کرے انھیں پاک کرے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم
دے اور وہ سب اس سے قبل کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

ارشاد قرآنی کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی جمہور کا منتخب شدہ نہیں تھا بلکہ
اللہ جل شانہٗ کا مبعوث کیا ہوا تھا، اور اس کے فرائض تھے آیات کی تلاوت، تزکیۂ نفوس
اور کتاب و حکمت کی تعلیم اور اللہ نے اس عظیم کام کے لئے اپنے اس بندہ کو چنا تھا جو اس

تخلیق کا شاہکار تھا جو اس کی تخلیق اوّل تھا جو اس وقت بھی نبی تھا جب آدم مابین آب و گل تھے، جو صاحب خلق عظیم بھی تھا اور شہر علم بھی۔

جب رسول اس شان کا تھا تو خلیفہ بھی اسی شان کا ہونا چاہیئے تھا جو جزو نورِ محمدی ہو اور جو باب مدینۃ العلم ہو جو قرآن کے ساتھ اور قرآن جس کے ساتھ ہو ظاہر ہے ایسا بندہ ہماری ناقص نگاہیں پہچاننے سے قاصر ہیں لہٰذا ماننا پڑیگا کہ وہ بھی انتخاب پروردگار ہی ہونا چاہیئے۔

مسلمانوں میں یہ عام تصوّر ہے کہ رسول اللہؐ بغیر کسی کو اپنے بعد اپنا خلیفہ نامزد کئے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے اور خلیفہ کا انتخاب خود امت نے اپنی صوابدید سے کر لیا حالانکہ حقیقت اس کے خلاف اور تاریخ بھی اس کی نفی کرتی ہے۔ مولانا روم نے اپنی مثنوی میں بھی اس کا ذکر کیا ہے لیکن اس سے وہ کرب ظاہر ہوتا ہے جو مولانا روم نے اس واقعہ پر محسوس کیا۔

اہل دنیا کار دنیا ساختند ۵
مصطفےٰ را بیکفن بگذاشتند

اہلِ دنیا کار دنیا کرتے رہے اور مصطفےٰ کو بیکفن چھوڑ دیا۔

بہر حال پہلا اعلانِ نبوت ہی پہلا اعلانِ نامزدگیٔ خلیفہ بھی تھا یعنی دعوت ذوالعشیرہ کا واقعہ جو آیۂ وانذر عشیرتک الاقربین کی تفسیر ہونے کی حیثیت سے جزو تفسیر بھی ہے، تاریخ اسلام کا ایک اہم واقعہ ہونے کی وجہ سے مورخین کی توجہ کا مرکز بھی ہے اور محدثین نے بھی کتب احادیث میں درج کیا ہے۔

بعثت کے تین سال بعد حکم آیا وانذر عشیرتک الاقربین۔ یعنی اپنے

قرابتداروں کو ڈراؤ یہ گھرانے میں تبلیغ کا حکم تھا اس کی تعمیل میں اولاد عبدالمطلب کو دعوت میں بلایا گیا اور کھانے سے فارغ ہو کر رسول مقبولؐ نے اپنی نبوت کا یوں اعلان کیا کہ اے بنی عبدالمطلب میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی نیکی لایا ہوں اور اللہ نے مجھے اس پر مامور کیا ہے کہ میں تمہیں اس کی طرف بلاؤں تم میں کون ہے جو اشاعت دین میں میرا دست و بازو بنے وہی میرا بھائی میرا وصی اور میرا جانشین ہوگا۔

اس اعلان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جانشینیٔ رسول میں عوام کو قطعی اختیار نہیں تھا تمام مجمع خاموش رہا اور صرف حضرت علی بن ابیطالب نے کھڑے ہو کر اس مہم کے لئے اپنی خدمات کا وعدہ فرمایا اور حضرت رسولِ خداؐ نے علی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا "بس یہی میرا بھائی میرا وصی اور میرا جانشین ہے تم سب کو اس کی اطاعت لازم ہے۔ طبری کی عربی عبارت یوں ہے" ان ھٰذا اخی و وصی وخلیفتی فیکم فاسمعوا واطیعوا لہٗ" (تاریخ اسلام، سید العلماء) جلد ۱ ص ۸۷ تا ۸۹)

اسی پر ختم نہیں ہے بلکہ جنگ تبوک کے موقع پر جب رسول اللہ صؐ نے حضرت علیؑ کو ساتھ نہیں لیا اور لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ حضورؐ آپ سے خفا ہیں تو حضرت علیؑ نے رسولؐ سے دریافت حال فرمایا جس کے جواب میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یا علیؑ کیا تم راضی نہیں ہو کہ میرے نزدیک تمہاری وہی منزلت ہے جو موسیٰؑ کے نزدیک ہارونؑ کو تھی بس فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ (خصائص نسائی)

اور سب سے آخر میں حجۃ الوداع سے واپسی پر جب مدینہ کی طرف چلنے کے لئے مکہ سے باہر آئے اور مقام غدیر خم پر پہونچے تو حکم الٰہی پہونچایا، یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔

ترجمہ:۔ اے رسول پہونچا دیجئے وہ جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اتارا جا چکا
اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو رسالت کا کوئی کام ہی نہیں کیا،

آیت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم پہلے بھی آچکا تھا اور روایت سے بھی پتہ چلتا ہے لیکن تبلیغ کا وقت مقرر نہ ہوا تھا مگر اب وہ وقت بھی آگیا اور وہ مقام بھی آگیا جہاں اس حکم کی تعمیل ہونی تھی اگر حضرت اس جگہ سے آگے بڑھ جاتے تو پھر اتنا بڑا مجمع کبھی نہ ملتا اس لئے باوجود سخت گرمی اور چٹیل میدان کی تیز دھوپ کے سب جمع کئے گئے بحکم رسولؐ پالانِ شتر کا منبر بنایا گیا رسولؐ منبر کی چوٹی پر حضرت علیؑ کو ساتھ لے کر تشریف فرما ہوئے اور ایک بسیط خطبہ ارشاد فرمایا جسے شیعہ و سنی سب علماء نے درج کیا ہے۔

رسول اللہؐ نے فرمایا "میں جس کا مولا ہوں اس کے یہ علیؑ بھی مولا ہیں اور ساتھ ہی علیؑ کو ہاتھوں پر بلند کر کے مجمع کو دکھلا بھی دیا۔ پھر بعد نماز ظہر ایک خیمہ نصب کرا کے حضرت علی کو اس میں بٹھایا گیا اور کل ازدواج و اصحاب کو حکم دیا گیا کہ جا کر حضرت علیؑ کو امیر المومنین کہہ کر سلام کریں اور جانشینیٔ رسولؐ کی مبارکباد دیں۔

چنانچہ اس پر عمل بھی ہوا اور حضرت عمر بن خطاب کے الفاظ تاریخ نے محفوظ کر لئے " بخٍ بخٍ لک یا علیؑ اصبحت مولائی و مولیٰ کل مومن و مومنۃ۔
مبارک ہو مبارک ہو یا علیؑ آپ میرے بھی مولا ہوتے اور کل مومنین اور مومنات کے مولا ہوتے۔ (تاریخ اسلام جلد ۲ سید العلماء ص ۱۲۷ تا ۱۳۴)

اہل سنت کے ماخذ: عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری۔ عینی الغرائب القرآن نیشاپوری، حافظ ابن مردویہ، حافظ ابو نعیم، اصابہ۔ ابن حجر عسقلانی، مسند احمد بن حنبل

سیرۃ حلبیہ۔ نورالدین حلبی شافعی، تاریخ (ابوالفدا)

دراصل یہ رسالہ سرکار مرحوم کے تین مقتدر مقالات کا مجموعہ ہے جو علی الترتیب مبلغ لکھنؤ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ الواعظ لکھنؤ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ اور شیعہ لاہور ۱۳۴۸ھ میں شائع ہو چکے تھے۔

والسلام
تفسیر الحسن نقوی
آنریری جنرل سیکریٹری
امامیہ مشن

۱۷، نیشنل کالونی
علی گڑھ
اکتوبر ۱۹۹۰ء

برائے ایصال ثواب

۱۔ سید محبوب علی صاحب مرحوم ابن سید حشمت علی صاحب مرحوم
۲۔ قمر جہاں بیگم مرحومہ زوجہ سید محبوب علی صاحب مرحوم
۳۔ ظفر جہاں بیگم مرحومہ بنت سید رونق علی صاحب مرحوم
۴۔ جمال فاطمہ صاحبہ مرحومہ بنت سید محبوب علی صاحب مرحوم

غدیر و نوروز

قرآن کی آخری آیت اور اکمال دین و اتمام نعمت

(حضرت سید العلماء کے موعظہ ۲۲ ذی القعدہ ۱۳۵۱ھ روز یکشنبہ کا مختصر اقتباس)[1]

قرآن مجید کے متعلق جہانتک مفسرین و علمائے اسلام کے متفقہ بیانات پر نظر ڈالی جاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی ترتیب شان نزول کے مطابق نہین ہوئی ہے بلکہ اس مین اول کا آخر اور آخر کا اول ہو گیا ہے اور اسی اختلاف ترتیب کا نتیجہ تھا کہ موجودہ صورت مین اسکی ابتداء و انتہاء بھی محفوظ نہین رہی ہے۔

ابتداء قرآن مجید کی یعنی سب سے پہلا سورہ کہ جو جناب رسالتمآبؐ پر نازل ہوا تھا وہ سورۂ اقراء ہے اور سب سے آخری سورہ جو نازل ہوا ہے وہ سورہ مائدہ ہے اور اس مین بھی سب سے آخری آیت الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً ہے۔

---

(۱) مبلغ لکھنؤ ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ۔

اگرچہ بعض مفسرین نے سورۂ توبہ کو آخری سورہ قرار دیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے اسلئے کہ سورۂ توبہ ۹ھ میں نازل ہوا ہے جبکہ سالتمآبؐ نے حج نہیں کیا تھا بلکہ امیرالمومنینؑ کو حکم امتناعی کے ساتھ مکۂ معظمہ روانہ کیا تھا کہ آئندہ سے مشرکین اگر خانہ کعبہ کا برہنہ طواف نہ کریں اسکے بعد رسولؐ سال بھر زندہ رہے اور آخر ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کی فرض کو انجام دیا اور سورۂ مائدہ اسی حجۃ الوداع میں نازل ہوا ہے۔ تو پھر سورۂ توبہ آخری سورہ کہاں قرار پا سکتا ہے؟

ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہی ہے کہ آخری سورہ مائدہ ہے اور اسمیں آخری آیت الیوم اکملت لکم دینکم ہے جو ۱۸ ذی الحجہ کو نازل ہوئی اسوقت کہ جب رسالتمآبؐ نے مقام غدیرخم میں علی بن ابیطالبؑ کی وصایت کا اعلان کیا اور اگر غور کیا جائے تو آیت خود بھی اپنے آخری ہونے کا اظہار کر رہی ہے۔

اصول فصاحت و بلاغت کے رو سے جس طرح ابتدائے کلام میں ایسا تذکرہ ہوتا ہے جو اصل مقصد کو بتلاتے ہوئے افتتاح پر دلالت کرے اسیطرح اختتام میں ایسے الفاظ ہوتے ہیں جو اختتام کو ظاہر کریں۔

قرآن مجید کی ابتدا ہوئی اقرأ باسم ربك الذی خلق "پڑھو خدا کا نام لیکر"۔

اس سے اشارہ ہوا کہ اب قرآن کا افتتاح ہوتا ہے اور اس لئے مخاطب کو قرات پر آمادہ کرتے ہوئے خدا کا نام لینے کی ہدایت ہوئی جو ابتداء کی خصوصیت ہوا کرتی ہے۔

انتہا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی آمین

اکملت اور اتممت کی دونوں لفظوں سے تمام وکمال کا پتہ دیا گیا اور یہ کہ اب جو کچھ پہونچنا تھا پہونچ چکا اور جو کچھ شریعت کی تکمیل ہونا تھی ہو چکی، رسول کی زندگی میں بھی اسلئے کہ قرآن مجید پورا اتر چکا اور رسول کے بعد کی بھی اسلئے کہ بعد کا انتظام علیؑ کی وصایت کے اعلان سے کرا دیا گیا۔ اس طرح اکمال دین اور اتمام نعمت ہوا اور اسطرح اسلام دین مرضی الٰہی قرار پایا۔ یہ تھا وہ مبارک دن جسکی عظمت کا احساس اسلام والوں کے علاوہ غیروں کو تھا چنانچہ تفسیر درمنثور حافظ جلال الدین سیوطی میں ہے عن ابی العالیۃ قال کانوا عند عمر فذکروا ھذہ الآیۃ فقال رجل من اہل الکتاب لو علمنا ای یوم نزلت ھذہ الآیۃ لا تخذناہ عیداً فقال عمر الحمد للہ الذی جعلہ لنا عیدا۔

حضرت عمر کے سامنے اس آیت کا تذکرہ ہوا ایک شخص نے اہل کتاب (یہود) میں سے کہا اگر ہم کو معلوم ہوتا یہ آیت کس دن نازل ہوئی ہے تو ہم تو

اس کو عید قرار دیتے - حضرت عمر نے کہا شکر ہے خدا کا کہ اس نے اس دن کو ہمارے لئے عید قرار دیا ہے، جتنے واقعات مختلف ایام مین ہوتے ہین اُنکے لئے دو حیثیتیں پائی جاتی ہین ایک حرکت قمر کے اعتبار سے اور اُسکے تغیر و تبدل کی حیثیت سے جو مہینہ کے مختلف اوقات مین ہوتا رہتا ہی اور ایک آفتاب کی حرکت سے کہ جس کا دورہ سال بھر مین ختم ہوتا ہی اور جسکے ذریعہ سے اوقات و فصول مین تغیّر و تبدل ہوتا ہے -

شریعت اسلام کے احکام مین جہانتک نظر کی جاتی ہے اُنکی بنیاد زیادہ تر قمری حساب پر قرار دی گئی ہے اسلئے کہ اس کا انضباط ذاتی مشاہدہ و احساس پر مبنی ہے جس مین خواص و عوام مساوی درجہ رکھتے ہین اور اس طرح ہر شخص اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر اپنے اعمال کو صحیح طور سے بجا لاسکتا ہے برخلاف آفتاب کی حرکت اور اُسکے منازل کے، وہ سوا ے منجمین اور علماء افلاک کے کسی کی سمجھنے کی چیز مین نہین ہین اور اِس لئے عام افراد کے لئے اُن پر عمل آسان نہین ہے -

لیکن یہ اس اہم واقعہ وصایت امیرالمومنین کی خصوصیت تھی کہ اس مین قمری و شمسی دونون حسابون کو معتبر قرار دیا گیا، قمری حساب سے تاریخ ۱۸ ذی الحجہ قرار پائی جسکا نام عید غدیر ہوا اور شمسی حساب سی چونکہ اس تاریخ جب یہ اہم واقعہ رونما ہوا آفتاب نقطۂ اعتدال پر پہونچا تھا

جو برج حمل مین اُسکے داخلہ کا مرادف ہے اسلیئے سال کی تاریخون مین یہی دن کہ جب آفتاب برجِ حمل مین داخل ہو اور اعتدال کا وقت آئے عید قرار پایا جس کا نام نوروز ہے اور پھر اتفاق سے امیرالمومنینؑ کی خلافت ظاہری بھی اُسی دن تھی جسکے معنی یہ ہین کہ آفتاب خلافت اپنے نقطۂ اعتدال پہ آیا تھا جس کے اندر افراط و تفریط کا شائبہ نہین لاشرقیۃ ولا غربیۃ بلکہ جو امۃً وسطاً کا صحیح مصداق ہے ۔ اسلیئے بھی رمز کے طور پر ہمیشہ ہمیشہ کیلیئے اس دن کو یادگار قرار دیدیا گیا اور آفتاب خلافت کے نقطۂ اعتدال پر پہونچنے کی یاد دہانی مین ہر سال جب آفتاب نقطۂ اعتدال پر پہونچے اُسکو مسلمانون کے لیئے عید مقرر کر دیا گیا ۔

آفتاب خلافت کا نقطۂ اعتدال

خلافت یا جانشینی رسول کو اُسکے حقیقی مفہوم کے اعتبار سے دیکھو تو وہ کبھی امیرالمومنینؑ سے جدا نہ تھی اور نہ ہو سکتی تھی، وہ ایسی شے نہین ہے جو چھینی جا سکے یا زبردستی اُس پر قبضۂ مخالفانہ قائم کیا جائے، مال و دولت صندوقون مین بند کر کے مضبوط و مستحکم مکانات مین مقفل کر کے رکھا جائے اور اُسکی حفاظت کے لئے پہرے بٹھائے جائین لیکن کسی متبحّر عالم کا علم، جنگ آزما شجاع کی شجاعت، دریادل سخی کی سخاوت کبھی اسکی محتاج نہین ہوئی کہ اُس کو پردون مین چھپا کر اور صندوقون مین مقفل کر کے محفوظ کیا جائے یا اُسکے متعلق چور اور ڈاکوؤن کی دست برد کا اندیشہ ہو۔

حقیقۃً خلافت کے معنی یہ ہین کہ رسول کی وفات کے بعد ایک شخص اُنکی جگہ کو پر کر دے، باین معنی کہ اخلاق و کمالات مین اس طرح رسولؐ کی تصویر ہو کہ گویا دنیا کو معلوم ہو رسول دنیا سے اُٹھ گئے ہین، شریعت کو معلوم نہ ہو کہ مبلّغ شریعت موجود نہین ہے، اسلام کو معلوم نہ ہو کہ اُسکا مؤسس عالم مین نہین ہے یا قرآن کو معلوم نہ ہو کہ اسکا حامل رخصت ہو گیا سنت کو معلوم ہو کہ

(در رسالہ الواعظ لکھنؤ بابتہ ذی القعدہ ۱۳۴۸؁ھ جلد ۹ نمبر ۴)

اُسکا پہونچانیوالا باقی نہین رہا، مختصر یہ کہ فریضۂ اصلاح و نظام عالم مین جن چیزون کو دخل ہے اُسکی حیثیت سے وہ اپنے پیش رو نبی کا اس حد تک سہیم و شریک ہو کہ تبلیغ احکام اور حفظ شریعت مین کسیطرح نقص و فتور نہ ہونے پائے، اگرچہ ذاتی و شخصی کمالات کے اعتبار سے دونوں ہستیون مین اُتنا تفاوت ضرور ہی ہوگا جتنا خود منصب نبوت و خلافت مین تفرقہ موجود ہے

مذکورہ بالا حقیقت کو دیکھتے ہوے خلافت کسی مقرر کیے ہوے وظیفہ یا عطا کئے ہوے منصب کا نام نہین ہے بلکہ اُن شخصی اور ذاتی کمالات کا نام ہے جو خالق کی طرف سے کسی مخصوص بندہ مین ودیعت کر دیے گئے ہین اور جو مبدأ خلق و تکوین مین اُسکی ذات سے مخصوص ہو گئے ہین، وہ نہ کسی کے علیحدہ کرنے سے علیحدہ ہو سکتے ہین، نہ کسی کے چھیننے سے چھن سکتے ہین!

اس مفہوم کے اعتبار سے اگر امیر المومنینؑ کی شخصیت پر نظر ڈالی جاتی ہے تو وہ اپنی زندگی کے ہر دور، اپنی عمر کی ہر ساعت، ہر دقیقہ، ہر ثانیہ مین رسولؐ کے خلیفہ و جانشین نظر آتے ہین، کس کو یہ طاقت حاصل ہے کہ وہ اس خلافت کو علی بن ابی طالب سے علیحدہ کر سکے۔

یقیناً سخت غلطی ہے اگر ہم علی بن ابیطالب کی اِس خلافت کے متعلق کسی تاریخ یا دن کی تعیین کرد ین، لوذ ور ہو، یا غدیر، بیعت العشیرہ کی محفل ہو! انما ولیکم اللہ کا موقع، ان مین سے کوئی بھی علیؑ کی جانشینی کی تاریخ

نہین ہی بلکہ درحقیقت یہ سب وہ اشتہارات واعلان ہین کہ جو عام افراد کی اطلاع کے لئے شایع کیئے گیئے ہین،

چونکہ خلافت باطنی اور مخفی حقیقت ہے جس کی تشخیص معمولی افراد بشر کا کام نہین ہی بلکہ وہی ہستی کہ جو نوع بشر کے آب و گل کی خلق کرنیوالی تھی اس رمز و حقیقت پر مطلع ہو سکتی ہی اسلیئے ایسے شخص کی تعین کرنا بھی اُسی علام الغیوب ہستی کا کام ہی اور اسی لئے اُس نے رسول کی معرفت عالم بشری تک اپنے نتیجہ انتخاب کی اطلاع پہونچائی اور متعدد طریقون سے عنوان بدل بدل کر اسکی تبلیغ کرائی، من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ، انما ولیکم اللہ و رسولہ ھذا وصیّی و خلیفتی۔ علی منّی بمنزلۃ ھرون من موسیٰ وغیرہ وغیرہ آیات و اخبار کے ذریعہ سے علی ابن ابیطالبؑ کی خلافت کو امت اسلامیہ تک پہونچایا گیا ہے۔

بیشک جس طرح رسول اپنی زندگی مین مسلمانون کے روحانی بادشاہ ہین اور اُن کا تمام نظم و نسق، سیاہ سفید حضرت کی حکم کا تابع ہے (النبی اولی بالمومنین من انفسھم) اسی طرح اُنکا جانشین اور خلیفہ کہ جو اُنکے مراتب کمال کا حامل اور فرائض دینیہ کا حافظ ہی خدا کی جانب سے اس امر کا مستحق ہی کہ امت کی زمام حکومت اُسکے ہاتھ مین ہو اور وہ اپنی مرضی کی مطابق اُنکے انتظامی اور تمدنی فلاح و نجاح کا سامان بہم پہونچائے، یہ وہ ظاہری

آثار ہیں جو خلافت الٰہیہ کے ساتھ ساتھ خلیفہ و امام کیلئے ثابت ہوتے ہیں اور چونکہ اُن کا تعلق ظاہری شان و شوکت اور حکومت و سلطنت سے ہے اسلئے مختلف افراد کی طمع و حرص اور ظلم و تعدی کا مرکز بن سکتے ہیں اور ظاہری نظر ین اسی کو واقعی خلافت اور جانشینی خیال کرتے ہوئے یہ کہنا جائز سمجھتی ہین کہ امیر المومنین سے خلافت علیحدہ کر لی گئی یا غیر مستحق افراد نے اُسپر قبضہ کر لیا اور ہمارے اس مضمون مین بھی آئندہ جب خلافت کی لفظ نظر آئے تو اُس سے انہی معنی کو مراد سمجھنا چاہیئے۔

رسالتمآبؐ کی وفات کے بعد جو انقلاب ہوئے اور انمین حقائق اور واقعات کا جس طرح خون کیا گیا اُسکا تذکرہ مقصود نہین ہے، تاریخ اُن تمام واقعات کو اپنے دامن مین لئے ہوئے ہے، خلافت نے اپنے حقیقی مرکز سے ہٹکر کتنے بھیس بدلے اور کیسی مختلف صورتین اختیار کین؟ وہ تمام اُن سیاسی داؤن پیچون کا نام ہو گیا جن کے ذریعہ سے مسلمانونکی جماعت کو بھیڑون کی طرح اپنے مقصد کے موافق ہنکایا جا سکے۔

ہر شے کی ایک میعاد ہوتی ہے، ناانصافی، خود غرضی، اپنونکی جانبداری حقدارون کے حقوق سے چشم پوشی، ستم رسیدہ مظلومونکے فریاد و شیون سے چشم پوشی انتہا تک پہونچ چکی تھی، مسلمانون کے صبر و ضبط کا پیمانہ چھلکا

اور اُس نے خلیفۂ وقت کے سفینۂ حیات کو غرق کر کے چھوڑا۔

یہ اقدام کتنے بھی حق بجانب شکایات کا نتیجہ ہو لیکن اتنا ضرور ہے کہ نامناسب تھا، امیر المومنینؑ کا پچیس ۲۵ برس تک خون جگر پیتے رہنا اور صبر کرنا اسی لئے تو تھا کہ تلوار کھینچنا اسلام کے مجمع شیرازہ کے منتشر ہونیکا باعث اور مسلمانوں کی خون ریزی کا سبب ہے ورنہ وہی تلوار کہ جس نے جوانی میں عمرو ابن عبدود کا خون بہایا اور بدر و احدُ خیبر و خندق کو فتح کیا اور بڑھاپے میں جمل و صفین و نہروان کے میدانوں میں اپنے جوہر دکھا کر دشمنوں کے دلوں پر سکہ قائم کیا وہی ادھیڑپن میں بھی علی ابن ابی طالب کے پاس موجود تھی، نہ اسکی باڑھ کند ہوئی اور نہ امیر المومنینؑ کے بازوون کی سکت میں کمی ہوئی تھی پھر اتنی طویل مدت تک مختلف قسم کے ظلم و ایذا بلکہ توہین و تذلیل کا برداشت کرنا اسی لئے تو تھا کہ اسلام کی بندھی ہوئی مٹھی کھلنے نہ پائے، اسی وجہ سے آخری دور میں جن افراد نے خلیفۂ وقت کے قتل کا اقدام کیا اُن کو بھی امیر المومنین کیطرف سے کوئی مدد نہیں دی گئی بلکہ متعدد مرتبہ درمیان میں پڑ کر فتنہ کی آگ کو خاموش کیا اور غصہ میں بھرے ہوئے حملہ آوروں کو سمجھا بجھا کر ہٹا دیا لیکن افسوس ہے کہ واقعات نازک سے نازک تر صورت اختیار کرتے گئے اور آخر قصر حکومت کی زمین فرمانروائے خلافت کے خون سے رنگی ہوئی نظر آئی، اب ذرا مسلمانوں کی آنکھیں کھل چکی تھیں تاریکی سے

دم اُکتا گیا تھا روشنی کی تلاش تھی، اُسکے لئے ڈھونڈھنے کی ضرورت نہین تھی، غدیر کے عمومی اعلان کی آواز ایسی نہ تھی جو ایکمرتبہ فضامین گونجکر فنا ہو جائے، یہ تو کہو کہ ابتک اغراض نفسانیہ، تعصب و عداوت تخویف وتہدید اور جبر وظلم لوگون کی آنکھون پر پردہ ڈال کر اُنکے ضمیر کے خلاف ڈھکیل رہے تھے لیکن اگر اُن کے باطنی جذبات اور نفسانی کیفیات کا جائزہ لیا جاتا تو صاف معلوم ہو جاتا کہ وہ خود اپنے نزدیک گناہگار تھے، یقیناً اُن کی آنکھون کے سامنے غدیر کے میدان کا مرقع ہروقت پھرتا اور کانون مین وہ پُرزور آواز گونجتی ہو گی، اب تو موانع برطرف ہو چکے تھے، سبھی حق کی تلاش تھی، اور خلافت کو اُسکے حقیقی مرکز تک پہونچنا تھا بلکہ یون کہنا چاہیئے کہ ظاہر کو باطن سے، لفظ کو معنی سے مطابق کرنا منظور تھا، آئے اور سیدھے اُسی مرکز پر آئے جہان پہلے آنا چاہیئے تھا علی بن ابیطالبؑ کے دروازہ پر مہاجرین و انصار کا ہجوم ہو گیا اور ہر شخص کی یہی خواہش کہ اب آپ اپنی حقیقی جگہ پر تشریف لائین اور حفظ شریعت اور ہدایت خلق کا فریضہ جو ابتک پردے مین رہ کر ادا کر رہے تھے اب مسند خلافت پر متمکن ہو کر ظاہری صورت مین ادا فرمائین، تاریخی واقعات مین جو شخص جوڑ پیوند لگانا چاہتا ہو اور غیر مرتب متفرق باتون کو ایک سلک مین مسلسل دیکھنے کا عادی ہو اُسکو اِس موقع پر حیرت و استعجاب کی انتہا

نہین رہتی کہ امیر المومنینؑ ایک وقت مین خود سے خلافت کے طالب تھے،
ایک ایک کے دروازہ پر جاجاکر ہمدردی ونصرت حاصل کرنا چاہتے اور عام طور
سے اپنے حق کا اعلان کرتے تھے جس کی وجہ سے نہ معلوم کتنی مصیبتون اور
سختیون کو بھی برداشت کرنا پڑا آج وہی امیر المومنین ہین کہ مہاجرینؓ نصاریٰ
چارون طرف سے گھیرے ہوئے ہین، الحاح واصرار کی انتہا نہین لیکن علی
بن ابی طالبؑ کسی طرح خلافت کو منظور نہین کرتے اور انکار ہی کر رہے ہین
بات یہ ہی کہ وہ وقت جب امیر المومنینؑ اپنے حق کی رو سے خلافت کے طالب
تھے وہ تھا کہ جب بانی تمانزہ رسول کی آنکھ بند ہوئی تھی حضرت کے روحانی تعلیمات
کا اثر مسلمانون کے دلون پہ پورا نہ ہوا تھا، علی بن ابی طالبؑ کی سیرت
اور انکا طرز عمل بھی بالکل وہی تھا کہ جو اُن کے استاد اور مربی رسالتمآبؐ کا
اسوہ حسنہ تھا، یقیناً اگر اُسوقت مسند خلافت پر علی ابن ابیطالبؑ متمکن
ہو جاتے تو دنیا کو معلوم بھی نہ ہوتا رسولؐ کب دنیا سے اُٹھے؟ وہی انصاف وعدالت
وہی تبلیغ احکام اور حفظ شریعت، وہی رحم وکرم اور رواداری، وہی قواعد
وقوانین اسلام کی پابندی ومحافظت، مسلمان تو اسی طریق حکومت کے
عادی تھے ہی، یقیناً عالم گہوارۂ امن وامان ہوتا اور حقیقی اسلام منتہائی ترقی
کے ساتھ عالم مین منتشر ہوتا مگر اُسوقت علی کی شنوائی نہوئی، تاہم خلافت
کے دو دورون تک نظام حکومت مین جتنی کمزوریان بھی ہون لیکن اموال مسلمین

اور حقوق عامۂ ناس میں کوئی کھلی ہوئی فروگذاشت نہوتی تھی اور ظاہری صورت میں ایک حد تک مساوات کا خیال رکھا جاتا تھا، اسی وجہ سے تیسرے خلیفہ کے انتخاب کے موقع پر بھی امیر المومنین ع نے پوری قوت کیساتھ اپنے حق خلافت کا اعلان کیا اور دلیل و براہین کے ذریعہ سے اپنے استحقاق کو ثابت کردیا لیکن جبکہ لوگوں نے خلافت کو امیر المومنین کے سامنے پیش کیا اور حضرت سے اصرار کیا تو یہ وہ وقت تھا کہ مسلمانوں کی عادتیں خراب ہوچکی تھیں، مسلمانوں کے حقوق میں عدم مساوات، جانبداری اور بیجا رعایت اموال مسلمین میں بڑی فیاضی کے ساتھ تصرف کا دور دورہ تھا، اسلامی مساوات اخوت اور ان اکرمکم عند اللہ اتقکم کی حقیقت بالکل لوگوں کو فراموش ہوچکی تھی اور کسی کو اس کا احساس نہ تھا تمام مناصب اور بڑے عہدے بنی اُمیہ کے قبضہ میں تھے، اموال مسلمین کے وہ بلا شرکت غیر مالک بنادئے گئے تھے اور جو لوگ زیادہ حاضر دربار رہتے تھے اور بارگاہ معلی میں تقرب حاصل کرلیتے تھے اُن کو تمام مسلمانوں سے زیادہ بیت المال کی خزانہ کا استحقاق ہوتا تھا، بڑے بڑے اسلامی بلاد بنی اُمیہ کے زیر نگین کئے جاچکے تھے، ان تمام واقعات نے حقیقۃً خلافت کو اس قابل نہیں رکھا تھا کہ امیر المومنین اسکو اپنے ہاتھ میں لیں، حضرت ان حالات اور تغیرات کو پورے طور پر سمجھے ہوئے تھے جو اسلامی مزاج میں رونما ہوگئے تھے، وہ خوب جانتے تھے

کہ مین اگر اسوقت خلافت کو منظور کرون تو کبھی کامیابی کیساتھ شریعت الٰہیہ
اور احکام اسلامیہ کے راستہ پر اُس کو نہین چلا سکتا، اسی وجہ سے مہاجرین و
انصار کے حد سے زائد اصرار پر آپ یہی فرماتے رہے کہ اکون وزیرا خیر
لکم من ان اکون امیرا، تمہارے لئے مین امیر ہون، اس سے بہتر یہ ہے
کہ امیر کوئی اور ہو مین اُس کا وزیر ہون اسلئے کہ وزیر کا فرض مشورہ
دینا ہے لیکن ذمہ دار وہ شخص ہے کہ جو تخت امارت پر متمکن ہے آخر مین
امیر المومنین کو منظور کرنا پڑا اور اس کا باعث صرف ایک تھا، اور وہ یہ کہ
مہاجرین اور انصار کے انتہائی اصرار اور اس اعلان کے بعد کہ ہم آپکی امتثال
اور اطاعت پر آمادہ ہین اُنکی خواہش کو رد کرنا گویا اُنکی طرف سے اتمام حجت کا
باعث تھا اور اُن ذمہ داریون کو دیکھتے ہوئے جو ایک حقیقی رہنمائے خلق
کے متعلق خداوند عالم کی طرف سے مقرر ہین اگر حضرت اس موقع کو ہاتھ سے
جانے دیتے تو خدا کی بارگاہ مین جواب دہ ہونا پڑتا۔

امیر المومنینؑ کی خلافت ایک عیسائی کی نظر مین

عبد المسیح انطاکی ملک عرب کے مشہور مؤلفین و مصنفین مین سے تھا اور مصر کے
ارباب علم مین خاص مرتبہ رکھتا تھا، ایک عرصہ تک جریدہ العمران کے ذریعہ
عربی تاریخ ادب کی خدمت کی اور تقریباً سنہ ۱۹۲۱ء مین داعی اجل کو لبیک کہا

اسکو اسلامی واقعات سے خاص دلچسپی تھی اور کئی سال تک ممالک اسلامیہ کا
دورہ کرکے اسلامی معلومات کو حاصل کیا تھا جس کا بہترین نتیجہ قصیدۂ علویہ ہے
جو درحقیقت اسکی عمر کا عظیم ترین کارنامہ کہے جانیکا مستحق ہے، ہم نے دو سال
قبل اخبار سرفراز کے رجب نمبر مین اس قصیدہ کے خصوصیات پر کافی روشنی
ڈالی ہے لیکن چونکہ اُس کو عرصہ گذر گیا اور یقیناً وہ خصوصیات اکثر ناظرین کو محفوظ
نہ ہون گے لہذا اس موقع پر اُتنے حصہ کا نقل کرنا ضروری ہے۔

" قصیدۂ علویہ عبدالمسیح انطاکی کے ان زرین کارنامون مین
سے ہے جن پر دنیائے تصنیف ایک مدت تک فخر کرنے کا حق رکھتی ہے
امیرالمومنین کی مفصل و مبسوط سیرت، حقایق اسلام پر تبصرہ، حکومت و
خلافت پر غیر جانبدارانہ خیالات کا اظہار، بعثت رسولؐ کے قبل عرب کے
اخلاق و عادات، رسالت مآبؐ کی سچی تعلیم کے تاثیرات، اسلامی تاریخ کے
اہم نکات پر منصفانہ بحث، ان تمام مطالب کو ۰۰ ۶ صفحہ کی کتاب مین اس
عنوان کے ساتھ جمع کیا گیا ہے جسکی نظیر اسکے قبل ملنا دشوار ہے، یقیناً
امیرالمومنینؑ کی سیرت مین کسی مسلمان نے ابھی تک اس گرانقدر فرض
کو اس طرح ادا نہین کیا تھا جس طرح ایک عیسائی
نے اس فرض کو ادا کیا ہے، اُس پر طرہ یہ ہے
کہ ادبی حیثیت .... سے

اسکو علمی سائنس کا حیرت انگیز کرشمہ کہنا چاہیے، اتنی مبسوط کتاب جس مین تمام واقعات و حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے ایک قصیدہ کے ضمن مین اس طرح نظم کرنا کہ شروع سے آخر تک ایک ہی ردیف و قافیہ باقی رہے یقیناً ادبی دنیا مین پہلا نمونہ ہے، یہ قصیدہ پانچ ہزار پانچ سو پچانوے (۵۵۹۵) اشعار پر مشتمل ہے جسمین تکلف و تصنع کا لگاؤ نہین اور خالص عربی زبان کا لطف بھی موجود ہے ۱۹۱۷ء سے ۱۹۱۹ء تک دو برس کے عرصہ مین اسکی تصنیف ہوئی ہے اور ۱۹۲۰ء مین مطبع عیسیٰ (نجالہ) مصر سے طبع ہو کر شایع ہوا ہے" (سرفراز لکھنو جلد ۴، نمبر ۲۸) غالباً اس بیان سے قصیدہ علویہ کے خصوصیات واضح ہو گئے ہونگے، اسی قصیدہ مین فاضل مولف نے امیر المومنینؑ کی خلافت اور مہاجرین و انصار کے خیالات کی جن لفظوں مین تصویر کھینچی ہے اُن کو اس مقام پر نقل کرنا چاہتا ہون، مین نہین سمجھ سکتا کہ اُردو ترجمہ مین وہ لطف کہان سے پیدا کرون کہ تمام ناظرین اصل اشعار کے ممتاز خصوصیات کا اندازہ کر سکین۔

ماماتَ عثمانُ الّا والصیاحُ دوی
بین الاعارب اعطوا القوس باریہا

حضرت عثمان کا مرنا تھا کہ ملک مین شور برپا ہو گیا، اب کمان اُسی کے بنانیوالے کے ہاتھ مین دو (یعنی خلافت اسکے اصلی حقدار تک پہونچاؤ)

انا نروم اماما عالما فقیھا ... وعی الشریعۃ واستقصی معانیھا

ہم ایسا امام چاہتے ہیں جو علم و فقاہت کے ساتھ احکام شریعت کا حافظ اور اسکے معانی کا احاطہ کئے ہو۔

وحاکما عادلا للحق منتصرا ... بہ تنال رعایا لا تساویھا

وہ ایسا عادل حاکم ہو جو ہمیشہ حق کا طرفدار رہے اور جس کے دور میں رعایا کو اندر مساوات کا درجہ حاصل رہے۔

وسیدا ماتعالی عن رعیتہ ... فان اتتہ تفاھیہ یفاھیھا

ایسا سید و سردار کہ جو کبھی اپنے تئیں رعیت سے بلند نہ سمجھے اگر رعیت اُس سے اگر موبخ درموبہ بات کرنا چاہے تو وہ کشادہ پیشانی کے ساتھ باتیں کرنے پر آمادہ ہو۔

واملا اشتراکیا کما نزلت ... ای الھدی وکما قد شاء موحیھا

اور وہ اشتراکی رہنما کہ جو آیات قرآن اور اُنکے اتارنیوالے کے منشاء کے مطابق حکم کرتا ہو۔

نختار من لا یحابی بین اُمتہ ... اذا تنازع سفلیھا وعلویھا

ہم اسکو پسند کرتے ہیں جو بڑے اور چھوٹے شخص کے مقابلہ کیوقت جانبداری اور رو رعایت کو صرف نہ کرے۔

نختار من لا یری تمییز عترتہ ... عن ارعیاھا ویوما یحابیھا

ہم اُسکو پسند کرتے ہین جو عام رعیت پر اپنی اولاد تک کو مقدم نہ سمجھتا ہو اور اُنکے ساتھ کسی قسم کی ناحق مراعات کو جائز نہ سمجھے۔

نختار من تعرف الہیجاء کرتہ ومن یصول علی الاعداء وینکیھا

ہم اُسکو پسند کرتے ہین جس کے تابڑ توڑ حملون کو میدان جنگ پہچانتے ہوے ہے اور جو دشمنون پر حملہ کرکے اُنکے دلون کو برباد دیتا ہو۔

نختار من یزدری الاموال یحقرھا زھداً ویبذلھا برا لعافیھا

ہم اُسکو پسند کرتے ہین جو مال دنیا کو بے حقیقت سمجھتا ہو اور اُس کو دریادلی سے فقراء و مساکین پر صرف کرے۔

نختار من کان للہادی لرسول اخاً ذلک الاخوۃ الخلق ان نراعیھا

ہم اُسکو پسند کرتے ہین جو ہمارے اسلام رسول کا بھائی ہے اور اس اخوت کا لحاظ ہمکو سب سے زیادہ ضروری ہے۔

خرنا الذی ربہ قد خارہ ورسولہ وخیرنہ ھبوا لنمضیھا

ہم نے اُسی کو پسند کیا ہے جس کو خدا اور اُس کے رسول نے منتخب کیا ہے اور اُسی کے انتخاب کو آؤ ہم بھی امضا کرین۔

کذالک کانت جموع المسلمین تنادی بعضہا البعض ما احلی تنادیھا

یہی باتین تھین جو مسلمانون کی جمعیت مین ایک دوسرے کو پکار پکار کر ہو رہی تھین اور حقیقۃً کتنی شیرین باتین تھین۔

وبا لتہا لیل امّت دار حیدرۃ بما لدیہا من الآمال ترجیہا

سب کے سب تکبیر و تہلیل کی آوازون کے ساتھ علی بن ابیطالب کے گھر کی طرف چلے اور امیدین انکے قدمون کو بڑھا رہی تھین ۔

وزمرۃ من وجوہ القوم قد خلت علی العلی وحیاہ محییّہا

اور ایک ممتاز جماعت با وجاہت اشخاص کی اس بلند مرتبہ امام کی خدمت مین آئی، اور آداب تسلیم کو ادا کیا۔

فیہا زبیر وفیہا طلحۃ وسوٰی ہذین ممن سموا فی الغرب توجیہا

ان مین طلحہ و زبیر اور انکے علاوہ ملک عرب کے بہت سے موجہ اشخاص تھے۔

قالت ممالکنا ذا الیوم شاغرۃ وانت صہر نبی اللہ تحمیہا

عرض کیا کہ ہمارا ملک پر آشوب ہو گیا ہے اور آپ ہی اے رسول کے داماد اب اسکی حفاظت کر سکتے ہین ۔

بادر لنجدتنا واقبل امارتنا تفضلا وانا الی علیاک نہدیہا

ذرا بڑھکر ہماری دادرسی کیجئے اور احسان کر کے امارت کو قبول فرما لیجئے اور ہم اسے آپ ہی کی خدمت مین پیش کرتے ہین ۔

ناداہم یمموا غیری فانی قد زہدت فیہا وأمّوا مستحبّیہا

حضرت نے پکار کر فرمایا کہ میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ کیونکہ مجھکو اس خلافت کی پرواہ نہین اور ان اشخاص کیطرف توجہ کرو جو اسکے دل سے طالب ہون۔

انا لمستقبلوا أمر مصاعبها ٭ بها وجوه تغشيها طوار يها
ہمارے سامنے ایسا سخت مرحلہ ہے کہ جسکے شدائد طرح طرح کے پہلو رکھتے ہین

أفا فکم قد لاغامت وھی عمطرة ٭ بروقها ما اختفی عنی تلو یها
تمہارے افق پر سیاہ بادل چھائے ہوئے ہین اور یہ برس کر رہین گے، انکی چمکتی ہوئی بجلیون کا پیچ و خم مجھپر مخفی نہین ہے

وقد تنکرت السبل التی وضحت ٭ تنکرا یوث الاضلال والیها
واضح راستے ہدایت کے اس طرح اجنبی بنگئے ہین کہ گمراہی اور سرگشتگی کا اندیشہ ہے۔

فان اجبت فانی راکب بکم ٭ طرقا بعلمی یجا بنها مجا بنها
اگر مین تمہاری خواہش کو قبول کرون تو یقیناً تم کو اپنے علم کے مطابق ایسے راستون پر چلاؤن گا جس سے پہلو تہی کرنے والے پہلو تہی کرتے ہین

ولست اصغی الی قول ومعتبة ٭ مادمت احکام رب العرش اجریھا
اور ہرگز مین کسی کے کہنے سُننے یا ناراض ہونے کی پرواہ نہ کرون گا جبتک کہ خدائی احکام کا اجرا کرتا رہون۔

وان ترکتم علیا من ولایتکم ٭ فاننی واحد من بین اھلیھا
اور اگر تم علی کو اپنی حکومت سے معاف کردو تو مین معمولی افراد مین سے ایک

شخص کی حیثیت سے بسر کر لیجاؤں گا۔

وقد اکون وایم اللہ اکثرکم سمعا وطوعا واخلاصا لوالیہا

اور خدا کی قسم شاید مین تم سب سے زیادہ حاکم وقت کے احکام کی اطاعت وفرمان برداری کرنے والا ہون گا۔

وان اکون وزیرا فی امارتہ خیر لکم فدعونی من تولیہا

میرا وزیر ہونا کسی دوسرے حاکم کے لئے تمہارے واسطے بہتر ہی لہذا مجھکو حکومت کے قبول کرنے سے معاف کرو۔

قالو اولیس لہا الا ابو حسن یجری سفینتہا امنا ویرسیہا

سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ابو الحسن (علیؑ) کے سوا کوئی اِس ناؤ کو منجھدار سے نکال کر ساحل تک نہیں پہونچا سکتا،

انا ننا شدک اللہ المہیمن ان تعید للشریعۃ السمحا نلا لیہا

ہم آپ کو خدا کی قسم دیتے ہین کہ آپ شریعت اسلامیہ کی چمک دمک کو از سر نو تازہ کردین۔

وان تمد یدا ابیضا لامتنا بہا تعود الی ماضی تصافیہا

اور اس امت کیطرف نصرت کا ہاتھہ بڑھا کر اُسکے صاف اور خوشگوار ماضی کو دوبارہ پلٹا دین۔

الا ترٰی لملاک ولا اسلام فی خطر وان ونکبتہ صعب تلافیہا

کیا آپ مملکت اسلامیہ اور خود اسلام کو خطرہ مین نہین دیکھتے اور وہ ایسی مصیبت مین مبتلا ہے جسکی تلافی بہت مشکل ہے۔

الا تخاف الٰہا انت تعبدہ فی امۃ بک قد ناطت امانیہا

کیا آپکو اپنے معبود حقیقی کا خوف نہین ہے اس پوری اُمت کے بارے مین کہ جو آپ سے لو لگائے ہوے ہے۔

ولم یزالوا بہ حتی اصاخ لہم سمعا و دعوتہم امسی ملبیہا

اور وہ لوگ یونہی اصرار کرتے رہے یہانتک کہ حضرت نے انکی تمنا پر توجہ فرمائی اور انکی خواہشون کو قبول کیا۔

حتی علی فضلہ اثنوا و صاح امیر المومنین عمید العرب منیہا

یہانتک کہ سب نے حضرت کی مدح و ثنا کرنا شروع کی اور آواز دی کہ اے امیر المومنین اے سردار عرب۔

امدد یمینک فضلا کی نبایعہا واظفر ببیعۃ اخلاص نودیہا

اپنا ہاتھ پھیلائیے کہ ہم سب بیعت کرین اور آپ ہماری مخلصانہ بیعت کو قبول فرمائین۔

فقال فی عقر دار لست اقبل منکم بیعۃ خفیۃ یا مستبیعہا

حضرت نے فرمایا کہ اے بیعت کے طالب لوگو مین اپنے گھر کی اندر مخفی حیثیت سے بیعت حاصل کرنے کو کسی طرح منظور نہین کر سکتا۔

وانما المسجد المبرور موضعها   والناس تشهد عاطیها ومعطیها

بے شک مسجد نبی میں کہ جو مبارک و مقدس مقام ہے جس موقع پر کہ تمام لوگ حکومت کے لینے والے اور دینے والے کا مشاہدہ کریں۔

فاسرعوا بالعلی المرتضیٰ اهما   زنج السرور یغنیها مغنیها

علی بن ابی طالبؑ کے ساتھ تیزی کے ساتھ سب کے سب فرحت و سرور کے گیت گاتے ہوئے لے جاتے ہوئے۔

والناس من حوله تبدی بشائرها   من بعد ان بلغت فیه تمنیها

لوگ چاروں طرف سے گھیرے ہوئے اپنی خوشی کے جذبات کو ظاہر کر رہے تھے چونکہ انکی آرزو حضرت کے متعلق بر آئی تھی۔

حتی اذا ما انتهت للمسجد النبوی   بایعته وما ضنت بایدیها

یہانتک کہ مسجد نبوی میں پہنچ گئے تو سب نے حضرت کی بیعت کی اور کسی نے ہاتھ بڑھانے میں بخل نہیں کیا،

وهکذا اصار مولانا العلی امیر المومنین و ساد العرب حامیها

اور اس صورت سے ہمارا بلند مرتبہ امام تمام مومنین کا امیر قرار پایا اور عرب کی سرداری انکے سچے حمایت کرنے والے کو حاصل ہوئی۔

وسرت الخلق من عرب ومن عجم   به وفاضت علی الدنیا تھانیها

تمام خلق خدا عرب و عجم کو اس سے مسرت ہوئی اور دنیا میں خوشی و تہنیت کا وفور ہو گیا۔

خلافت آلٰہیہ اور سیاست ملوکیہ میں تفرقہ

حقیقی جانشین رسولؐ کے روحانی خصوصیات

خدا کا رسول دنیا مین کسی عظیم الشان سلطنت کی بنیاد قائم کرنے نہین آیا تھا، نہ وہ ایسے شاندار قصرون کی تعمیر کرنا چاہتا تھا جن کے کنگرے سطح فلک سے مقابلہ کرتے ہون، نہ وہ کوئی خزانہ جمع کرنے کی ضرورت سمجھتا تھا جس مین تمام اطراف ارض کا خراج سمیٹ کر ذخیرہ کیا جائے، نہ وہ ایسا شاندار لباس پہننا باعث افتخار سمجھتا تھا جس کی چمک دمک سے دیکھنے والون کی آنکھین خیرہ ہون، بے شک اگر پروردگار عالم کی نظر مین ان ظاہری اشیاء کے لئے کوئی اہمیت حاصل ہوتی تو قیصر و کسریٰ سب سے زیادہ حقدار تھے کہ ان پر وہ اپنا پیغام نازل کرتا، ملک عرب کے بڑے بڑے سرمایہ پرست کافی وجوہ رکھتے تھے کہ وہ اُن کو اپنا سفیر مقرر کرے لیکن یہ کیا تھا کہ اُس نے بنی ہاشم کے گھرانے مین سے ابو طالب کے پروردہ یتیم کو رسالت کے عہدہ کے لئے منتخب کیا اور نبوت کا اعلیٰ منصب اسکے متعلق کیا۔ تمام سرمایہ داران

(اخبار شیعہ لاہور ۱۳ رجب ۱۳۴۸ھ ج ۵ نمبر ۲۵)

قریش اور ارباب حشم و خدم کی گردنیں اس ہستی کے سامنے خم کرا دیں کیا اس لئے کہ اُن کے اقتدار سے مافوق ایک دنیاوی سلطنت قائم کرنا منظور تھا؟ ہرگز نہیں، اگر ایسا ہوتا تو وہ قادر تھا اپنے پیغمبر کے لئے مکہ و مدینہ کے پہاڑوں کو طلائے خالص بنا دیتا اور زمین کے سنگریزے زر و جواہر بنجاتے لیکن اس کے برخلاف رسُول نے اپنی زندگی بھر دونوں وقت شکم سیر ہو کر کھانا بھی نہ کھایا، شاہی محل اور سلطانی قصر کیسے! رسالتمآبؐ کے گھروں کی تو یہ شان تھی کہ حسن بصری ناقل ہیں میں بچپنے میں رسُول کے گھروں کے اندر جایا کرتا تھا تو چھت کو اپنے ہاتھ سے چھو لیتا تھا (وفاء الوفاء) مسجد کا شاہی دربار جس میں ارکان دولت کا اجتماع ہوتا تھا اُس میں سلطان دین و دنیا کے پاس بیٹھنے والے وہ اشخاص ہوتے تھے جنکے پاس پہننے کو سابوت کپڑا بھی نہ تھا۔ اس سیرت کو دیکھتے ہوئے یہ بات کسی ثبوت کی محتاج نہیں رہتی کہ خدا کا رسول ملوکانہ زندگی بسر کرنے کیلئے نہیں بلکہ بنی نوع بشر کو حقائق توحید سے مطلع کرنے اور دنیا کو درس اخلاق دینے کے لئے آیا تھا، وہ مادہ کی ظاہری شان و شوکت کو توڑ کر روحانیت کے جذبہ کو ترقی دینا اپنا فرض سمجھتا تھا اور اول دور بعثت سے لیکر آخری وقت تک اُس کا نصب العین یہی رہا۔

رسول کی آنکھ بند ہوئی اور موت نے اُنکے ظاہری فیوض کو مسلمانون سے سلب لیا جس کے ساتھ ہی اخلاق و عادات، جذبات و اخلاق مین عجیب غریب انقلابات پیدا ہو گئے، روحانیت کی جگہ مادیت نے لینا شروع کی اور حقائق پرستی کے بجاے سرمایہ پرستی نے اپنا عمل قائم کر دیا قیصر و کسریٰ کے ممالک فتح ہوے، ایران کی نازک مزاجی، ظاہر داری فضول خرچی کا اثر غیر متمدن عربون نے لیا اور مال غنیمت کی کثرت نے خزانون کے دامن کو زر و جواہر سے مملو کر دیا۔ اب کیا تھا بیدردی سے اسلام کی دولت صرف کی جانے لگی اور اسلامی خصوصیات کے برخلاف ملوکیت اور جہانگیریت کا دور دورا شروع ہو گیا، مستحقین کے بجاے مسلمانون کا مال ملکی سیاست اور ذاتی اغراض کا ذریعہ قرار پا گیا۔

"سیاست" اپنے حقیقی معنی مین بہت خوشگوار اور قابل قعت لفظ ہے، یہ درحقیقت اُس انتظامی قابلیت کا نام ہے جو مبدأ فیاض کی طرف سے مدنیت واجتماع کی حفاظت کیلیے کسی انسان مین ودیعت کیجاتی ہے اور جس کے آثار اصلاح ملک و ملت کے ضمن مین ظاہر ہوتے ہین۔

لیکن افسوس ہے کہ جس طرح بہت سی الفاظ اپنے غلط استعمال کی وجہ سے بے وقعت ہو گئی ہین اسیطرح سیاست کا لفظ اپنے بے محل موارد

استعمال کی بدولت اصلی مفہوم سے ہٹ کر دوسرے معنی کا قالب بن گیا ہے، سیاست کے معنی جدید اصطلاح مین اپنے مقصد کو حق ناحق ہر طریقہ سے کامیاب بنانا اور اُس کے حصول مین جن طریقون کی بھی ضرورت ہو اُن کا بلند حوصلگی کے ساتھ استعمال کر کے اُس مقصود کو حاصل کر لینا۔

خدائی مدرسۂ اخلاق و تمدن کے تعلیمیافتہ افراد مین سیاست کی جنبہ کو مذکورۂ بالا حیثیت سے تلاش کرنا کھلی ہوئی غلطی ہے، نہ یہ کہ وہ سیاست کے پیچیدہ رموز و اسرار سے ناواقف ہوا کرتے ہین، ہرگز نہین بلکہ اس لئے کہ اُن کو دیانت و امانت کی فرائض اور خدائی قانون کی دفعات اجازت نہین دیتے کہ وہ اُن طریقون کا استعمال کرین، وہ تو قدم قدم پر اپنے خدا کی مرضی کے جویا اور اُس کی خوشنودی کے طالب ہوا کرتے ہین اور اپنی حرکت و سکون بلکہ گردش چشم اور جنبش زبان مین اسبات پر نظر رکھتے ہین کہ اس قانون کی خلاف ورزی نہونے پائے جسکے وہ پابند بنا دئے گئے ہین اس فلسفہ کو حکیم الاسلام امیر المومنین ؑ نے چند کلمون مین اس طرح ادا فرمایا ہے واللہ لولا الدین لکنت ادھی العرب۔ دنیا پرست افراد اپنے مقصد کے حصول مین ہر جائز و ناجائز طریقہ کا عمل مین لانا ضروری سمجھین لیکن شریعت الٰہیہ کے محافظ اور دینی احکام کی نگہبان افراد کسیطرح اِن طریقون کو اختیار نہین کر سکتے جن کے متعلق مذہبی احکام اجازت نہین

ویسے اگر سیاست سے ناواقفیت اسی کا نام ہی تو ہم بہت کشادہ پیشانی کے
ساتھہ اِس کے تسلیم کرنے کے لئے موجود ہین۔ دنیاوی بادشاہون، مادہ پرست
ارباب اقتدار مین اگر تم سیاست کے اِس مفہوم کو تلاش کرتے ہو تو کچھہ بیجا
نہین، مگر خلافت الٰہیہ کے مالک اور شریعت مقدسہ کے محافظ افراد
کے حالات زندگی اور طرز عمل مین اس مفہوم کی جستجو کرنا دانشمندی سے بہت بعید ہے

وصی در حقیقت نبی کا جانشین ہوا کرتا ہے لیکن جانشینی سے
مراد صرف ظاہری مسند پر بیٹھہ جانا یا منبر پر رسول کی جگہ کو پر کر دینا نہین ہے
بلکہ اعمال و اخلاق اور سیرت مین بالکل رسول کی تصویر ہو کر دنیا کے سامنے نمونہ
رسول بنکر ظاہر ہونا ہی جسکی وجہ سے رسول کی جگہہ پر ہو جاباین معنی کہ اخلاق و
کمالات کی حیثیت سے وصی اس طرح نور رسالت کا آئینہ بنجائے کہ گویا دنیا
کو معلوم نہو کہ رسول عالم مین موجود نہین ہین، یہ حقیقی معنی جانشینی کے ہین اور جسمین یہ
صفت پائی جائے وہی حقیقی جانشین رسول کہے جانیکا مستحق ہی۔

رسالتمآبؐ کی وفات کے بعد جو انقلابات پیدا ہوئے انھون نے شریعت اسلامیہ
کی صورت کو بہت کچھہ بدلدیا تھا اور روحانیت کے بجائے مادیت نئی نولے
طور پر اپنا عمل قائم کر لیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ارباب اقتدار کی طرف سے
سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے اسلامی روپیہ عالی حوصلگی کیساتھ صرف کیا جانے لگا

مخصوص حوالی موالی اور رشتہ دارون کا خیال تمام مسلمانون سے مقدم رکھتے ہوئے اہل اسلام کے مشترکہ اموال کو معدودے چند افراد سے مخصوص کر دیا گیا، حضرت عثمان کا دوران خصوصیات کی حیثیت سے پورا امتیاز رکھتا ہے۔

مصر، عراق، شام تمام اطراف خاندان بنی اُمیّہ کے تسلّط و اقتدار کا مرکز بنگئے، مروان بن الحکم جو رسول کی زندگی مین بلکہ اُس کے بعد بھی خلیفۂ اول و خلیفۂ ثانی کے عہد تک مدینہ کے اندر داخل ہونے سے ممنوع تھا وہ ذاتی مصالح کی بنا پر اتنا سر چڑھا یا گیا کہ خلافت اسلامیہ کا نظم ونسق اُسکی چشم و ابرو کے اشارہ کا تابع ہوگیا، آرمینیا کا ملک فتح ہوتا ہے اور اس کا پورا خمس مروان کو ہبہ کر دیا جاتا ہے، عبداللہ بن خالد بن امیہ تنگدستی کا اظہار کرتا ہے اسکو ۴ لاکھ درہم بیت المال سے سپرد کر دیئے جاتے ہین، حکم بن ابی العاص جسکی گردن مین رسول کی زبان سے لعنت کا طوق پڑ چکا تھا وہ مدینہ مین لاکر مقربین بارگاہ مین داخل کیا گیا اور اسی پر اکتفا نہین کی بلکہ حقوق مسلمین سے ایک لاکھ درہم بھی اُسکو عطا کر دیے گئے، مروان کے بھائی حارث بن حکم کو "مہزور" نامی ایک موضع لکھدیا گیا حالانکہ رسالتمآب اپنی زندگی مین اُسکو مسلمانون کے لئے تصدق قرار دے چکے تھے، خود مروان بن الحکم کے نام فدک لکھدیا گیا حالانکہ یہی وہ باغ ہے جسکے لئے فاطمہ زہرا علیہا السلام نے پہلے دور مین کبھی میراث کی بنا پر اور کبھی عطیۂ رسول ہونیکی روسے احتجاج کیا مگر اُنکے قول کو رد کیا گیا اور اسکو مسلمانونکے لئے وقف بتایا گیا، لیکن تیسرے دور مین حکم بدل گیا اور اُسے

مروان بن الحکم طرید رسول کی ملکیت قرار دینا جائز سمجھا گیا، مدینہ کے ارد گرد جتنی
سرسبز و شاداب زمینیں تھیں وہ سب حکومت کی طرف سے اپنے لئے مخصوص قرار
دیدی گئیں اور سوائے بنی اُمیہ کے کسی شخص کو مسلمانوں میں سے وہاں مویشی لیجا کر
چرانے کی اجازت نہیں رہی، افریقیہ غربی (طرابلس الغرب سے لیکر طنجہ تک) فتح ہوا
اور جتنا بھی مال خراج وہاں سے آیا وہ سب بلا شرکت غیرے عبد اللہ بن ابی
سرح کو عطا کر دیا گیا، معاویہ کے والد ابو سفیان بن حرب کو بیت المال سے
دو لاکھ روپیہ دیئے گئے اور یہ اُسی دن کا تذکرہ ہے کہ جب مروان کو ایک لاکھ درہم
ملے تھے جس پر زید بن ارقم خازن بیت المال نے کنجیاں لا کر سامنے رکھدیں
اور رونا شروع کیا، حضرت عثمان نے کہا کہ تم اس لئے روتے ہو کہ میں نے اپنے قرابت
داروں کی اعانت کی، زید نے کہا ایسا نہیں بلکہ میں اس خیال سے رویا کہ آپنے مسلمانوں کا
مال غیر مستحق اشخاص کے سپرد کیا، اگر مروان کو سو درہم بھی دیئے جاتے تو بہت تھے
اور ابو سفیان کو ایک درہم بھی ملتا تو زیادہ تھا کیونکہ یہ دونوں ہمیشہ سے
اسلام کے ساتھ جنگ کرتے رہے، عوض اسکے کہ ان کلمات سے کچھ اثر لیا جاتا جواب
ملا کہ اچھا کنجیاں رکھدو ہمکو بیت المال کی خزینہ داری کے لئے کوئی دوسرا شخص مل
جائیگا۔ اسکے علاوہ ابو موسیٰ اشعری نے عراق سے اموال خراج کو بھیجا وہ تمام بنی امیہ
کے درمیان تقسیم کر دیا گیا اس قسم کے واقعات کثرت سے ہیں جنکو اگر تفصیل سے بیان کیا
جائے تو ایک طویل مضمون درکار ہے۔

بنی امیہ کے ساتھ ان تمام رعایتوں کا منشا، صرف سیاسی مصالح تھے اور یہ غرض تھی کہ بنی ہاشم کے مقابلہ مین اس گروہ کو پوری طاقت حاصل رہے اور دامن خلافت تک کوئی آنچ آنے لگے تو یہ لوگ سینہ سپر ہون شام مین معاویہ اور اُن کے جانشین سلاطین نے طلا و نقرہ کی سیاسی بارش کو بہت ترقی دی، اُن کا نقطۂ نظر زرا وسیع تھا، وہ صرف بنی اُمیہ کے جذب قلوب پر اکتفا نہ کرتے ہوے تمام اشراف قبائل اور رؤساء قریش کی رضامندی کو حاصل کرنا چاہتے تھے اور اکثر وہ اپنے طلائی اور نقرئی سکون سے اپنے مقاصد مین کامیاب بھی ہو جاتے تھے، اگر ذرا غور سے ان تمام سلاطین کے حالات زندگی مین غور کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ انکی غرض سوائے اپنے ذاتی مصالح اور سیاسی اغراض کے اور کچھ نہ تھی اور اپنے مقصد کے حصول مین کسی مذہبی یا اخلاقی قانون کا لحاظ ضروری نہ سمجھتے تھے، یہی ملوکانہ سیاست اور دنیاوی طریق حکومت ہے جس سے اسلام کو دور کا بھی واسطہ نہین ہے۔

اس سب کے مقابلہ مین جب امیر المومنینؑ کے طرز حکومت اور حالات زندگی پر نظر کیجائے تو بے ساختہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ کا اقتدار زرو جواہر کی بارش کا رہین منت اور سیاسی طریق عمل کا زیر بار احسان نہین ہے، آپ

اپنے پیش نظر حضرت رسول اکرمؐ کی طرح خالص روحانی سلطنت کی بنیاد قائم کرنا چاہتے تھے جس مین تصنع اور ریاکاری، جنبہ داری کا نشان تک نہین پایا جا سکتا، مسلمانون کے بیت المال کو حضرت ایک امانت سمجھتے تھے جو خالق کریم کی طرف سے آپکے ہاتھ مین مستحقین تک پہونچانے کے لئے ودیعت رکھی گئی ہی، کیا ممکن ہے کہ اُسمین سے ایک حبہ بھی بلا استحقاق کسی کو دیدیا جائے، ایک طرف شام مین قبیلۂ قریش کے بڑے بڑے افراد کیلئے خزانون کے منھ کھلے ہوے تھے اور جو شخص بنی ہاشم سے منحرف ہو کر حاکم شام کا دوست ہو جائے وہ مال دنیا سے مالامال ہو جاتا تھا لیکن دوسری طرف قرآن مجید کی تعلیم کا خیال اور سنت رسُول کی پابندی پیش نظر تھی، تمام مسلمانون مین مساوات جو شریعت اسلامیہ کا طرۂ امتیاز ہے اور جس کو کتاب خدا نے انما المومنون اخوۃ کہکر واضح کیا تھا، اُس سے امیر المومنین ذرہ برابر ہٹنا نہ چاہتے تھے، یہانتک کہ اس مساوات سے حضرت کی اولاد، بھائی، بھتیجے، اور دیگر عزیز قریب بھی مستثنیٰ نہ تھے، عقیل جو حضرت کے حقیقی بھائی تھے اُنھون نے کتنا چاہا کہ اُنکے مقررہ وظیفہ مین کچھ اضافہ کر دیا جائے مگر کسی طرح امیر المومنینؑ نے منظور نہ کیا، سابق دور مین قرابت دارون اور قوم قبیلہ والون کے ساتھ مخصوص رعایتین عقیل کو ہمت دلا رہی تھین کہ وہ بھی اپنے بھائی سے اِس قسم کی رعایتین

کے خواستگار ہون لیکن علی بن ابیطالبؑ کی طرف یہی جواب ملتا تھا کہ بیت المال تمام مسلمانون کا حق ہے مجھ سے مخصوص نہین ہان مین بھی دوسرے مسلمانون کے برابر لینے کا مستحق ہون، اگر تم کہو تو مین اپنے حصہ مین سے تمکو دیدون، عقیل کا اصرار زیادہ ہوا، حضرت نے فرمایا کہ جمعہ کو مسجد مین نماز کے وقت مجھ سے ملاقات کرو، روز جمعہ جب مسجد نمازگذارون سے مملو ہو گئی اور حضرت نماز و خطبہ سے فارغ ہوے تو عقیل کو اپنے پاس بلاکر ارشاد فرمایا، کیون تمہارے نزدیک جو شخص ان سب لوگون کی خیانت کرے وہ کیسا ہے؟ عقیل نے کہا کہ اُس سے بدتر کوئی شخص نہین، امیر المومنین نے ہنسکر فرمایا "تم مجھ سے یہی تو چاہتے ہو کہ مین ان سب کی خیانت کرون اور تمکو ان تمام لوگون کے حقوق مین سے مخصوص امتیاز دیدون"

کچھ روز پھر سکوت کرنے کے بعد عقیل نے اپنی خواہش کا اعادہ کیا اور اپنی مرتبہ اولاد کو لیکر حضرت کی خدمت مین آئے جنکے چہرون سے فقر و فاقہ کے آثار نمایان تھے؛ حضرت نے پھر اپنے حصہ کو جو بیت المال سے مقرر تھا دینے پر آمادگی ظاہر فرمائی۔ اور جب انھون نے اسے منظور نہ کیا تو حضرت نے فرمایا کہ شام کو میرے پاس آنا، جب وہ وقت آیا عقیل حضرت کی خدمت مین حاضر ہوے آپ نے ایک ٹکڑا لوہے کا جو آگ سے گرم کیا ہوا رکھا تھا اُن کے ہاتھ پر رکھا، عقیل فریاد کرنے لگے کہ آپ مجھکو آگ سے کیون اذیت

دیتے ہیں؟ حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ تم ایک لوہے کے ٹکڑے سے جو دنیا کی معمولی آگ سے گرم کیا گیا ہے اتنا گھبراتے ہو اور مجھ کو چاہتے ہو ایسی آگ میں بھیجو جسے خدا نے اپنے قہر و غضب سے روشن کیا ہے۔

کوتاہ نظر اور ظاہر بین افراد امیر المومنینؑ کے اس طرز عمل کو چاہے سیاست اور اصول حکومت کے خلاف تصور کریں لیکن اگر عقل و انصاف کی روشنی میں دیکھا جائے تو علی بن ابیطالبؑ کا طرز عمل اسلامی اصول مساوات کا بہترین نمونہ ہے،

کیا امیر المومنین سے اسکی توقع کیجا سکتی ہی کہ وہ بھی مثل سابق دور کے تمام بیت المال کو اپنے اعزہ و اقارب سے مخصوص کر دیتے اور تمام مسلمان اس سے محروم کر دئیے جاتے، علی بن ابیطالب اپنی خلافت میں ملوکانہ سیاست کے استعمال کے محتاج نہ تھے، ان کی خلافت خلافت الٰہیہ تھی اور روحانی طاقت و قوت پر اُس کا دار و مدار تھا۔

عالم انسانیت کا معلم اعظم

آفتاب لاکھون بار زمین کے گرد گردش کرے یا زمین کروڑون بتبہ آفتاب کے گرد چکر لگائے، لیل ونہار کے سیاہ وسفید ورق اپنے تمام ولادنیر نقوش کے ساتھ سامنے آئین اور گذر جائین اور افراد انسانی کیلیے اپنا وجود صفحہ تاریخ مین محفوظ کر جائین، انسانی نسل کے قافلہ اس منزل مین اُترین، رہین سہین اور سفری ہو جائین لیکن "انسان کامل" یا عالم انسانیت کے معلم اعظم" کی تلاش تمکو ہمیشہ ایک محدود ہی دائرہ کی طرف رہنمائی کرے گی جس مین وسعت کا پتہ اور کثرتِ تعداد کا نشان نہین۔

ہر قوم اپنے لئے گنتی کے افراد رکھتی ہے جنکو وہ اپنے کامل ترین افراد کی فہرست مین پیش کرسکتی ہے اور انہین بھی جب انتخاب کیا جائے تو سب سے زیادہ کامل ترہستی ایک ہی ہوگی جو اُس خطِ ارتقاء کا انتہائی نقطہ سمجھی جاسکتی ہے۔

اگر یہ صحیح ہے کہ اقوام عالم مین باعتبار اپنی صداقت، روحانیت اور خصوصیات روحانی کے سب سے زیادہ مکمل قوم اسلام کی قوم ہے تو یہ بھی

(۱) سرفراز رجب نمبر ۵۲ ۱۳ھ

تسلیم کرنا ضروری ہوگا کہ اس قوم کی "کامل ترین" یا "سب سے بڑی ہستی" وہی ہونا چاہیے جو تمام "عالم انسانیت" میں یکساں طور پر "معلم اعظم" سمجھی جاسکے۔

دنیا مادہ پسند ہے اور مادی اشیاء پہ جان دیتی ہے، مسلمانوں کے عام افراد بھی اپنے بشری افتاد طبع کی بناء پر اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھے، اُنھوں نے عظمت کا معیار ظاہری شان و شوکت، اکثریت، انتظامی معاملات میں ظاہری سوجھ بوجھ اور بست و کشاد، نظم و نسق کی قابلیت کو سمجھ لیا اور اسی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے لگے لیکن اگر خود اسلام ایک عملی قانون ہے، اگر اس نے اقوال سے زیادہ اعمال کو اہمیت دی ہے۔ اگر وہ اپنے ماننے والوں کی ترقی روحانی اور تہذیب نفسانی اور اخلاقی شایستگی کا ذمہ دار ہے تو اسکی مکمل ترین ہستی وہی ہوسکتی ہے جو اُن تعلیمات کا مکمل نمونہ اور عملی مجسمہ ہو جس نے اپنے افعال و اعمال و زندگی کے ہر حرکت و سکون۔ سے دنیا کے لئے ایسے نمونے پیش کئے ہوں جن کی موافقت شایستگی ا[خ]لاق اور تہذیب نفس، جامعۂ بشری کی شیرازہ بندی اور امن و امان، زندگانی ملی کے خوشگوار و کامیاب بنانے کی ضامن ہو، یہی ہستی وہ ہوسکتی ہے جو دنیائے اسلام کے "انسان کامل" یا "عالم انسانیت کے معلم اعظم" کا لقب پانے کی مستحق ہو۔

رسول اسلام نے اپنے تعلیمات کی ایک روح تھی کہ جو پھونکی اور ظرف و استعداد کے مطابق ہر ایک نے اس روح سے اثر لیا اور جاہلیت کی موت سے زندہ ہو کر نشاۂ ثانیہ حاصل کیا لیکن یہ واقعہ ہے کہ اس روح کا مکمل اثر لے کہ خود اسی روح کا مجسمہ بنجانیوالی کچھ ہی مخصوص ہستیاں سمجھی جا سکتی ہین جن مین بھی تفرقہ و امتیاز کی بنا پر افضل و اکمل ہستی ایک ہی ہو گی اور کوئی نہین۔

بے شک افراد اسلام کی سیرت زندگی ہمارے سامنے ہے، تاریخ کے اوراق اُن تمام حوادث و واقعات کو اپنے نقوش و الفاظ کی طلسم سے محفوظ کئے ہوئے ہین جو خود ہماری آنکھون کے سامنے نہ ہوئے تھے اور افسانہ ماضی بن چکے ہین۔

اُن مین بعض تو ایسے تاریک مرقع ہین کہ جنکی طرف دیکھکر خود بخود آنکھ بند ہو جاتی ہے اور منھ پھر جاتا ہے۔ بعض ایسے ناقص اور غیر مکمل بھی سامنے آتے ہین جن مین محاسن کے ساتھ عیوب و نقائص کی شرکت سے خط و خال بگڑا ہوا نظر آتا ہے اور نمونہ عمل بننے کے قابل نہین۔ بعض اتنے مدہم نقوش ہین کہ جو صاف نظر نہین آتے اور جنمین کفر و اسلام کا امتیاز مشکل ہوتا ہے۔

حجاج بن یوسف ثقفی۔ عبدالملک بن مروان ولید۔ یزید بن معاویہ

معتصم۔ منصور۔ متوکل وغیرہ ایسے وہ افراد کہ جنہیں عام ذہنیتوں نے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول کیساتھ اولی الامر منکم کا مصداق قرار دیکر مسلمانوں کا قبلۂ اطاعت اور کعبۂ توجہ تبلایا ہے کیا یہی ایسے نمونے ہیں جن کو عالم کے سامنے پیش کر کے ہم اسلام کی روحانیت اخلاقیت صداقت و حقانیت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی دعوت دیں اور ان ہی کے طرز عمل یعنی سفاکی، خونریزی، امن و اطمینان کے ساتھ دشمنی یا عیاشی، شہوت رانی، خواہش پرستی یا خودغرضی نفسانیت جانبداری کو نمونے میں پیش کر کے یہ دعویٰ کریں کہ اسلام دنیا میں شائستہ اخلاق اور بلند تعلیمات کا حامل و علمبردار اور انسانی ترقی و تہذیب کا ذمہ دار بن کر آیا ہے۔

یا اس سے آگے بڑھ کر شاہانہ شان و شوکت اور ملوکانہ حشم و خدم سیاسی جوڑ توڑ، مکاری، چال بازی یا اپنے مفاد کے لئے قوم و مذہب کے مفاد کو پامال کر دینے کی تعلیم کو ناز و افتخار اور مسرت کیساتھ پیش کر کے اسلام کی روحانیت اور عملی تربیت کے کوس لمن الملکی بجانے کی جرأت کریں یا اور آگے جا کر حریت و مساوات کی بیقدری، اخوت اسلامی کی بے احترامی۔ قبیلہ بندی اور اپنے قوم و قبیلہ بھائی بندوں کیساتھ جانبداری آزادی رائے کو سلب کرنے کے ساتھ جبر و تشدد کی کارفرمائی، حق گویوں

کی زبان بندی اور انکی دل آزاری معاہدات کے خلاف ورزی اور جمہور

کے جذبات کی پامالی یہ ہے جو اسلامی تعلیمات کے نمونے مین پیش کیجائے؟

یا اسلام کی روحانیت و صداقت کی بہترین سند اور اسلام کی تعلیم

اخلاقی و تہذیب اجتماعی کی مکمل شاہکار انہی فتوحات کو قرار دے لیا

جائے جن مین اسلام کی تلوار جارحانہ صورت سے دنیا کے امن و امان کو

خاک مین ملا رہی تھی اور آس پاس کے ہمسایہ اقوام کو تباہ کرکے اپنی

سلطنت اور حدود مملکت مین اضافہ کر رہی تھی اور جس نے ہمیشہ کیلئے

اسلام کے پاک دامن پر یہ دھبہ لگا دیا کہ وہ امن و امان کا دشمن ہے۔ اور یہ کہ وہ تلوار

کے زور سے پھیلا ہے؟ یا اس علم دوستی و ادب پروری کو اسلامی تعلیمات کا نمونہ سمجھا

جائے۔ جو کتب خانہ اسکندریہ کے تباہ ہونے کی صورت مین ظاہر ہوئی

جس کی وجہ سے علم دوست اقوام یہ کہنے لگے کہ "اسلام علم کا دشمن ہے"

یا اسلام کی سچائی روحانیت کا ثبوت ذاتی نفوذ و اقتدار جاہ طلبی

شخصیت پروری حقداروں کے حقوق سے چشم پوشی اور حق طلبی کے خلاف

جبر و تشدد، تخویف و تہدید، ظلم و استبداد، ناانصافی اور غیر رواداری

وغیرہ ایسے اوصاف کو سمجھا جائے جنکے واقعات تاریخ اسلامی مین صاف

طور سے محفوظ ہیں۔ آخر پھر کوئی بتائے کہ غیر اسلامی دنیا کے سامنے ہم

اسلامی تعلیمات کے عملی نتیجہ کی کس طرح روشناسی کرائیں اور کس طرح ہم

ثابت کریں کہ اسلام عملی مذہب ہے اور ایسے افراد ہیں جنھوں نے اسکے تعلیمات پر اس طرح عمل کیا کہ وہ اُسکی مجسم مثال بن گئے۔

بیشک اس کے لئے دنیائے اسلام میں چند ہی ہستیاں ہیں جنکے علمی اوصاف محامد و خصال اور اخلاق و عادات کا آئینہ اتنا صاف اور بے عیب ہے جس میں کوئی دھبہ نظر نہیں آتا۔ اور انہیں ممتاز و نمایاں ہستی رسول اسلام کے حقیقی جانشین اور ملت اسلامیہ کے واحد رہنما حضرت امیرالمومنین علی بن ابیطالبؑ کی ہی۔

ضرورت ہی کہ دنیا آپ کی سیرت زندگی۔ اوصاف و کمالات شاور افعال و اعمال کو دیکھے سمجھے اور غور کرے، اُن کے عظیم نکات اسرار تک پہونچنے کی کوشش کرے۔ اور دنیا کے سامنے پیش کرے۔ بیشک علیؑ ہی کی ہستی وہ ہے جس کا اتباع ملت اسلامیہ کے ارتقاء روحانی اور تہذیب و شائستگی اور تعظیم ملی کا ذمہ دار ہے اور یہی ہستی وہ ہی جسکو دنیا کے سامنے پیش کر کے یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ یہ ہے "دنیا کا انسان کامل" اور یہ ہے عالم انسانیت کا معلم اعظم"

علی نقوی النقوی عفی عنہ